دینی مدارس کے ماحول پر ایک نظر

اساتذہ اور طلباء کی حالت اور مسائل

حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

نوٹ: یہ مضمون 3 اگست سنہ 2000ء کو اسلام آباد میں انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز کے زیرِ اہتمام "دینی مدارس" کے بارے میں منعقد ہونے والی مجلس مذاکرہ میں پڑھا گیا

الحمدلله و سلام علیٰ عباده الذین اصطفیٰ۔ امابعد: فاعوذبالله من الشیطان الرجیم، بسم الله الرحمٰن الرحیم O وما کان المؤمنون لینفروا کافة۔ فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون۔

حاضرین محترم! سب سے پہلے میں "انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد" کا ممنون و شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ایک ایسے موقع پر جب کہ مدارس دینیہ کے خلاف بے دین و ملحد طبقوں کی طرف سے پروپیگنڈہ اپنے عروج پر ہے، ایک مجلس مذاکرہ کا اہتمام کیا تاکہ مکاتب فکر کے اہل علم حضرات اس منفی پروپیگنڈہ کے سدِباب کے لیے غور و فکر کر سکیں۔

دینی مدارس کے ماحول پر ایک نظر کے عنوان کے تحت اپنی معروضات سے قبل احقر تلاوت کردہ آیت کے چند نکات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہے۔

سب سے پہلی گزارش یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں حق تعالیٰ شانہ نے تقسیم کار کی تعلیم دی ہے کہ تمام لوگ صرف ایک ہی کام کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ کچھ لوگ جہاد میں جائیں یا علم دین حاصل کریں تو بعض دوسرے، دیگر امور کو سنبھالیں تاکہ اجتماعی زندگی میں کسی قسم کا تعطل پیدا نہ ہو۔ جمہور مفسرین کے نزدیک اس آیت کا تعلق تعلیم دین سے ہے۔ جس طرح جہاد کے دو حصے ہیں: فرض عین، فرض کفایہ، اسی طرح حصول علمِ دین بھی دو حصوں میں منقسم ہو جاتا ہے۔ علم کا بعض حصہ فرض عین ہے اور بعض حصہ فرض کفایہ ہے۔ فرض عین وہ حصہ ہے جو ہر مرد و عورت کے لیے حاصل کرنا لازم ہے۔ بیہقی میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة۔ ہر مسلمان مرد و عورت پر علم کا حصول فرض ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس میں عقیدے کی درستگی، توحید کا جاننا، شرک کا پہچاننا، رسالت پر ایمان اور قیامت پر ایمان شامل ہے۔ اسی طرح فرض عبادات کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے۔ حلال، حرام کی تمیز، سود اور تجارت میں امتیاز کرنا اور حقوق العباد کا علم ہونا بھی سب کے لیے ضروری ہے۔ جو شخص لاعلمی کی بنا پر فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرے گا یا کوئی غلط کام کرے گا وہ مجرم ہوگا۔

علم دین کا دوسرا حصہ اسلام کی جزئیات پر مشتمل ہے۔ اس کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ آیت کریمہ میں علم دین کے لیے سفر کی ترغیب دی جارہی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی شہر یا بستی کے سارے لوگ تو حصولِ علم کے لیے ہجرت نہیں کر سکتے، بلکہ نظامِ زندگی چلانے کے لیے مزدوری، کھیتی باڑی، تجارت، صنعت بھی ضروری ہے۔ لیکن فرمایا: فلو لانفر من کل فرقة منهم طائفة۔ کہ ہر فرقے اور ہر جماعت سے ایک گروہ حصول علم کے لیے جائے، باقی لوگ زندگی کے بقیہ امور انجام دیں اور ان نکلنے والوں کا مقصد لیتفقهوا فی الدین ہو یعنی یہ لوگ دین میں سمجھ پیدا کریں۔ اور دوسرا بڑا مقصد یہ ہو کہ ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم کہ جب وہ اپنی قوم کی طرف واپس لوٹیں تو ان کو علم کی روشنی میں نیکی بدی کی تمیز کرائیں اور ہر برے عمل کے نتائج سے آگاہ کریں جس سے وہ ڈر جائیں اور برائی کو چھوڑ کر نیکی کی طرف راغب ہو جائیں۔ علم کا حصول کوئی معمولی کام نہیں، اس کے لیے سفر اور محنت لازمی جزو ہیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں: انما العلم بالتعلم یعنی علم سیکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ فقہ سے جہاں فہم، فقاہت اور سمجھ مراد ہے وہاں اس سے اسلامی قانون بھی مراد ہے جسے ائمہ مجتہدین نے قرآن و سنت سے اخذ کر کے آسان شکل میں امت کے سامنے پیش کیا ہے۔ علم کے حصول کے لیے مال، وقت اور توانائی خرچ کرنا پڑتی ہے۔ محض اخبارات و رسائل پڑھ کر کوئی شخص مجتہد نہیں بن سکتا۔ صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح قرار دینا علم نہیں بلکہ حماقت ہے۔ آج بھی آپ کو علم کے یہ آثار مدارس دینیہ ہی میں نظر آئیں گے اور اس ارشادِ ربانی پر عمل کرنے والے بھی ان ہی مدارس کے اساتذہ و طلباء ہی قرار پائیں گے۔ حصولِ علمِ دین کی اس ضرورت کے بعد ہم جائزہ لیتے ہیں ان درس گاہوں اور اداروں کا جہاں اس مقدس فرض کی تکمیل ہوتی ہے اور جہاں مال، جان اور وقت کی قربانی کے ساتھ علمِ دین کو حاصل کیا جاتا ہے۔

مدرسہ کیا ہے؟ اور مدرسہ کا مقام و منصب کیا ہے؟ درحقیقت مدرسہ وہ کارگاہِ حیات ہے جہاں مردم سازی کا کام ہوتا ہے، جہاں قلب و نظر کی اصلاح کی جاتی ہے، جہاں سے کائنات کو حیاتِ نو کا سبق ملتا ہے۔ اس کے لیے ہماری نظریں مدینہ منورہ میں قائم ہونے والے سب سے پہلے مدرسے پر پڑتی ہیں۔ جس کے معلم سید الاولین والآخرین، امام الانبیاء ﷺ ہیں اور جس کے تلامذہ میں حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت مصعب بن عمیرؓ، حضرت بلالؓ اور دیگر صحابہؓ نظر آتے ہیں۔ اس مدرسے کے طلباء نے مدرسے سے کیا حاصل کیا، یقین و اخلاص، ایمان و احتساب، تعلق مع اللہ، خشوع و خضوع، دعا و ابتہال، استغنا و توکل، اعتماد علی اللہ، دردو محبت، خود شکنی و خودداری۔ ھوالذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم آیتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ

اس پہلے مدرسۂ نبوی ﷺ میں صرف علوم و احکام کی تعلیم نہ تھی بلکہ تطہیر و تزکیہ نفس بھی ساتھ تھا۔ بحمد اللہ آج بھی مدارس دینیہ کیفیات و اوصاف کے لحاظ سے بہت کم سہی، بلکہ میں کہتا ہوں "چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک" مگر پھر بھی مدارس کے طلباء ان دونوں چیزوں کے امین ہیں۔ ان کے پاس علم بھی ہے اور عمل بھی۔ تلاوت بھی ہے اور تزکیہ بھی۔ اور آج کے دور سے ذرا اوپر چلیں تو آپ کو ہمارے اسلاف ان دونوں خصوصیتوں کے جامع نظر آئیں گے۔ آج عصری علوم کی درس گاہیں اس جامعیت سے خالی ہیں۔ ممکن ہے وہاں خانہ پُری کے لیے کچھ حصہ ترجمہ قران کریم اور چند احادیث پڑھائی جاتی ہوں، مگر عمل اور تزکیہ کے بغیر علم کی حیثیت کاغذی پھولوں جیسی ہے جن میں نہ خوشبو ہوتی ہے نہ تازگی۔ آج دنیا کے بازار میں کاغذی اور ولایتی پھولوں کی کمی نہیں، لیکن مدارسِ دینیہ میں آپ کو باغِ نبوت کے شاداب پھول نظر آئیں گے۔

مدارس دینیہ نے انقلاب انگیز شخصیات پیدا کیں

یہ درست ہے کہ کچھ عرصے سے ہمارے مدارس بھی ان شاداب پھولوں سے خالی ہوتے جارہے ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ کبھی انہی صفوں سے خواجہ معین الدین اجمیریؒ اٹھتے ہیں اور پورے کے پورے ملک کو اپنے قلب کی حرارت اور ایمان کے نور سے بھر دیتے ہیں۔ حضرت سید علی ہجویری آتے ہیں اور کروڑوں انسانوں کی زندگیاں بدل دیتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کھڑے ہوتے ہیں اور حکومت مغلیہ میں انقلاب برپا کر دیتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ بڑھتے ہیں اور اس طویل و عریض ملک کا رجحان بدل دیتے ہیں اور پورے نظامِ فکر اور نظامِ تعلیم پر گہرے اثرات ڈالتے ہیں۔

مدارسِ دینیہ کے علماء و طلباء خود شناس و خوددار ہیں

آج کے یہ دینی مدارس اسی "صفہ" کے مدرسے سے نسبت رکھتے ہیں۔ ان کا سلسلۂ "اصحابہ صفہ" سے ملتا ہے۔ آج بھی ان سادہ کپڑوں، سادہ جسموں اور خالی جیب و دامن والوں کے سینے علوم نبوت سے منور ہیں۔ ان کے پاس وہ حقائق ہیں جو دنیا سے گم ہو چکے ہیں اور جن کے گم ہونے سے آج دنیا میں اندھیرا ہے، اضطراب و انتشار ہے، شر و فساد ہے۔ آج آپ کو عصری علوم کی بڑی بڑی درس گاہیں استاذ کے ادب و احترام سے خالی اور اخلاق نبوی ﷺ سے بے بہرہ نظر آئیں گی، مگر بحمد اللہ ادب و احترام اور اخلاق کے بچے کھچے کچھ آثار اگر آپ کو نظر آئیں گے تو انہی کچے مدرسوں اور ٹوٹی ہوئی صفوں پر جہاں اب بھی قال اللہ وقال الرسول ﷺ کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ آج عصرِ حاضر کی درس گاہوں میں اساتذہ اور طلباء کو ہر قسم کی سہولتیں حاصل ہیں۔ بلند و بالا عمارتیں، جدید آلات، وسیع لائبریریاں، پرکشش تنخواہیں، مگر آپ کو قناعت کی دولت صرف مدارس کے طلبا اور اساتذہ ہی میں نظر آئے گی جو معمولی اور ناقابل یقین مشاہروں پر اپنی ساری زندگی گزار دیتے ہیں اور پھر یہ کہ تعلیم و تربیت کی یہ ذمہ داری چھ یا آٹھ گھنٹوں تک محدود نہیں بلا مبالغہ سولہ (16) اور بیس گھنٹوں تک وسیع ہے۔ بلاشبہ مدارس کے ان سادہ اور قناعت پسند اساتذہ میں ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جن کو سلطنتیں نہیں خرید سکیں۔ انہوں نے دنیا والوں کی بڑی سے بڑی پیشکش سن کر ہمیشہ زیرِ لب مسکرا کر کہا:

بروایں دام بر مرغ دگر نہ کہ عنقارا بلند است آشیانہ

انہیں خود آشنا اور خدا شناس انسانوں کے دم سے انسانیت کا سر بلند ہے۔ آج بھی آپ کو ان مدارس کے کسی نہ کسی گوشے سے یہ صدا سنائی دے گی :

لاا سئلکم علیه اجرا۔ ان اجری الا علی الله...... اور...... اتمدوننی بمال فما اتانی الله خیر مما آتاکم بل انتم بهدیتکم تفرحون۔

جس روز یہ صدا بالکل بند ہو جائے گی اور انسان جمادات و حیوانات کی طرح ارزاں اور گراں بکنے لگیں گے، اس دن یہ دنیا رہنے کے قابل نہ رہے گی اور انسانیت اپنی آب و تاب کھو دے گی۔

آج کے اس گئے گزرے دور میں بھی آپ کو مدارس کے اساتذہ و طلباء میں ایثار و قناعت، جدو جہد، جفاکشی اور بلند ہمتی کے آثار نظر آئیں گے۔ مدارس کی دنیا معاشی حوصلہ مندیوں اور دنیاوی سربلندیوں کی دنیا نہیں ہے، لیکن ان بوسیدہ پوشاک درویشوں نے ہر دور میں زمانے کے چیلنجوں کا مقابلہ کیا۔ جب کہیں اسلام پر حملہ ہوا، یا نئے فتنوں نے سر اٹھایا تو اس کا دفاع یا جواب کالج اور یونیورسٹیوں میں پڑھانے والوں نے نہیں بلکہ بوریا نشین علماء نے دیا۔

ماضی قریب میں کتنے ہی فتنوں نے سر اٹھایا، مگر ہر فتنے کی سرکوبی کے لیے علماء دین اور مدارس سے تعلق رکھنے والے ہی میدان میں آئے۔ قادیانیت، فتنہ انکارِ حدیث، فتنہ انکارِ ناموس و مقام صحابہؓ، غرضیکہ الحاد کے تمام سیلابوں کے مقابلے کے لیے اہلِ مدارس ہی کام آئے۔

1857ء میں انگریزی حکومت کے تسلط سے نئے نئے فتنوں نے سر اٹھایا۔ عیسائی مبلغین نے اسلام پر علانیہ حملے شروع کر دیے اور علمائے اسلام کو دعوت مقابلہ دی تو اس موقع پر طبقۂ علماء ہی کے ایک فرد مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ میدان میں آئے اور انہوں نے "اظہار الحق" اور "ازالۃ الاوھام" جیسی کتابیں لکھ کر مسیحیت کی اشاعت کا دروازہ بند کر دیا۔ یہ کتابیں ہندوپاک سے لے کر مصر و ترکی تک اپنے موضوع پر بے نظیر سمجھی جاتی ہیں اور ابھی تک لاجواب ہیں۔

قادیانیت جو نبوت محمد ﷺ کے خلاف ایک سوچی سمجھی سازش تھی اور اسلام کے پورے اعتقادی اور علمی و فکری نظام کو ڈائنامیٹ کرنے اور خدانخواستہ اس کے ملبے پر ایک نئی نبوت اور امامت کی تعمیر کی کوشش تھی اس کے مقابلے میں چند مخلص اور بالغ نظر علماء میدان میں آئے، جن میں مولانا سید محمد علی مونگیریؒ اور مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ کا نام اور کام سب سے زیادہ روشن ہے۔

کچھ لوگ مدارسِ دینیہ اور اہلِ مدارس پر کوتاہ بینی اور جمود کا الزام عائد کرتے ہیں اور ان کے نصابِ تعلیم کو عصرِ حاضر کے تقاضوں سے بے گانہ قرار دیتے ہیں۔ ان حضرات کی اطلاع کے لیے میں عرض کر دوں کہ علماء اسلام نے کسی ضرورت کے تسلیم کرنے اور کسی مفید و ناگزیر چیز کو قبول کرنے میں کبھی پس و پیش سے کام نہیں لیا۔ مدارس دینیہ میں رائج نصاب عہد بہ عہد تبدیلیوں اور مختلف علمی و عقلی رجحانات کا نمائندہ ہے۔ اس میں ہر دور میں اضافہ و ترمیم ہوتی رہی ہے۔ مدارس کے نصاب کو جامد کہنے والے (میں معذرت سے کہوں گا) حقیقت حال سے بے خبر ہیں۔ البتہ ہمارے اس نصاب کے کچھ مقاصد اور اہداف ہیں جو ایک خاص طرح کے نصاب ہی سے حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ اس لیے ہم درسِ نظامی کے نصاب میں کسی ایسی تبدیلی کے حق میں نہیں جس سے قلب موضوع ہو جائے اور مدارس کے مقاصد اور اہداف ہی بدل جائیں۔

مدارس کا ہدف

اس علمی مجلس اور مختلف طبقات کے اہل علم و نظر کی مجلس میں واشگاف الفاظ میں اس حقیقت کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ ان مدارس کا مقصد وحید، اسوۂ محمدی ﷺ کی روشنی کو پھیلانا ہے۔ یہ عصر حاضر کی اندھیری رات میں روشنی کا چراغ ہیں جو انسانیت کی رہنمائی کے لیے جلائے گئے ہیں۔ ہمارا یہ یقین ہے کہ اس طوفانِ نوح میں سفینۂ نوح صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت و امامت ہے۔ اور ہم تعلیماتِ نبوت کے مقابلے میں تمام دنیا کے فلسفہ الٰہیات اور فلسفہ مابعد الطبیعیات اور قیاسات و روایات کو افسانہ و خرافات سے زیادہ وقعت دینے کو تیار نہیں، ہمارے نزدیک خیرالھدی ھدی محمد ﷺ ہے۔ لٰہذا ہم کسی ایسے نصاب کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں جو اعتقادی، ذہنی، فکری، قلبی، ذوقی اور عملی حیثیت سے تعلیمات نبوی ﷺ سے ہم آہنگ نہ ہو، ان ہی الفاظ پر میں اپنی معروضات کا اختتام کرتا ہوں، و آخر دعوانا ان الحمدلله رب العلمین۔